قل یٰعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا

کہدو اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو بیشک اللہ سب گناہ بخشدیگا

بعد الموت

یعنے

مرنیکے بعد کیا ہوتا ہے!

مصنفہ

جناب ڈاکٹر قاضی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی پنشنر مؤلف کتاب بک آف میریج وغیرہ

زیر نگرانی احقر ابوظفر محمد حامد میرزا عفا اللہ عنہ

سنہ ۱۳۳۷ھ

اصلاح پریس واقع دہلی میں باہتمام شیخ نذیر حسین صاحب کے چھپا

قیمت علاوہ محصول ۲ر

بار اوّل

تعداد اشاعت ایکہزار

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

موت کے بعد کیا ہوتا ہے۔ ہم مر کر کہاں جائینگے! اور ہمارا حشر کیا ہوگا؟

یہ ایک نہایت ہی دقیق راز ہے جس پر ابتدائے آفرینش سے ہر عمر ہر زمانے میں عقلمندان وقت نے غور و خوض کیا ہے اور اپنے اپنے خیال کے مطابق ہر ایک نے اس گتھی کو سلجھایا بھی ہے مگر یہ تصفیہ کرنا کہ کون اس راز کی تہ کو واقعی پہونچا ہے "کارے دارد" کا مضمون ہے۔

اس ترقی تہذیب و تعلیم کے زمانے میں دہریے تو فوراً یہ جواب دیتے ہیں کہ موت ہمارا آخری مرحلہ ہے زندگی کے ساتھ تمام باتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے قبر ہماری آخری منزل ہے جس کے بعد نہ کچھ ہوتا ہے نہ ہوگا گوشت و استخواں سب گل سڑ کر خاک کا ڈھیر ہو جائینگے۔ اللہ اللہ خیر صلاح۔ یہ لامذہب فرقہ نہ خدا کا قایل ہے نہ روح کا۔ اس فرقہ کے ممبر انسان کی مثال گھڑی یا انسان کی بنائی ہوئی دیگر معمولی مشینوں (کل) سے دیتے ہیں انکا خیال ہے کہ جس طرح گھڑی کے پرزے یکجا موقع و محل سے لگاکر انکو متحرک کر دینے سے ہر پرزہ اپنا اپنا کام کرنے لگتا ہے سکنڈ کی سوئی سکنڈ منٹ کی سوئی منٹ اور گھنٹے کی گھنٹہ بتاتی ہے بجانے کا پرزہ وقت مقررہ پر گھنٹے اور الارم (گجر) بجاتا ہے مگر جب کوئی پرزہ بگڑ کر یہ گھڑی بند ہو جاتی ہے تو اس میں سے کوئی چیز جان یا روح نکل نہیں جاتی۔ اسی طرح انسانی مشینری (کل) کا حال ہے جبتک اس کے پرزے ٹھیک رہتے اور باقاعدگی کے ساتھ چلتے ہیں اسوقت تک کل زندگی کے کام ہوتے رہتے ہیں مگر جب ان پرزوں میں خرابی آکر یہ مشین بگڑ کر بند ہو جاتی ہے تو جس طرح گھڑی بند ہونے کے وقت اس میں سے کوئی

شئے جان یا رُوح نہیں نکلی تھی اِسیطرح اس مشین میں سے کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہتی جسکو آیندہ واقعات کا سامنا کرنا پڑے *

انکی یہ دلیل ہے تو ایک حد تک موزوں بقول شخصے اچھانگ سے تُک ملایا ہے۔ مگر سچی ہوتی تو ضرور یہ انسان بھی ہمیشہ روز ازل سے آجتک ایک ہی قسم کا کار مقررہ انجام دیتا سب مشینیں یکساں کام کرتیں یہ ممکن تھا کہ جس طرح کوئی گھڑی ایک مرتبہ کوُکنے سے ۲۴ گھنٹہ کوئی ۴۸ گھنٹہ کوئی ایک ہفتہ اور کوئی ایک مہینہ چلتی ہے اس طرح سے انسانی زندگی بھی مختلف ہوتی مگر کوئی عالم و فاضل۔ کوئی فلاسفر کوئی ڈاکٹر، کوئی انجنیر، کوئی جاہل۔ کوئی چور اور ڈاکو نہ ہوتا سب اس دُنیا میں آتے، کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، بچے پیدا کرتے اور مرجاتے، ریل جہاز، زپلین اور ایروپلین (ہوائی جہاز) اور تارپیڈو کشتیاں وغیرہ نہ بنا سکتے نہ اپنے تجربہ سے آیندہ نسل کو فائدہ پہونچا سکتے۔ انسانی مشین کے پُرزے اس زمانہ میں بھی وہی کام کرتے ہوتے جو ابتدائی انسان کے پُرزوں نے کیا تھا۔ روز افزوں ترقی اور عروج کا نام و نشان بھی نہ ہوتا جس طرح ایک قسم کا انجن دو طرح کے کام نہیں کر سکتا مثلاً ریل کا انجن جہاز کو نہیں چلا سکتا اِسیطرح ایک ہی قسم ایک ہی کل پُرزوں کا انسان مختلف علوم و فنون پر حاوی نہ ہوتا (یہ صرف ہماری نہیں بلکہ بڑے بڑے پروفیسرز کی رائے ہے)

علاوہ ازیں ہم میں ایک اندرونی قوت ہے جسکا نام دل یا ضمیر ہے۔ یہ دل خود بخود اس مسئلہ کو قبول نہیں کرتا کہ ہم مرکر صرف خاک کا ڈھیر ہو جائینگے۔ گو ہم فریق مخالف کی دلائل سے لاجواب ہو جائیں انکے ثبوت ہم کو ظاہرہ قائل کر دیں مگر دل اندر سے یہی کہے جائیگا کہ ہماری زندگی کا نہ اس طرح خاتمہ ہوا ہے نہ ہوگا جہانتک تواریخ اور روایات سے پتہ چلتا ہے ہم یہی دیکھتے ہیں کہ ابتدا ہی سے ابتدائی وحشی سے وحشی انسان بھی رُوح کے قائل اور اس بات کو مانتے رہے ہیں کہ موت گو اس زندگی کا خاتمہ مگر آیندہ زندگی کا دروازہ ہے اور اس بات پر ہر شخص نے قیاس دوڑایا ہے کہ قبر کے دوسرے گھاٹ پر جو خطۂ نامعلوم ہے وہاں کیا پیش آتا ہے * انہیں آبا و اجداد کے خیالات اور تعلیم کا اثر ہے کہ آج دلیلوں سے لاجواب ہو کر بھی ہمارا ضمیر قبول نہیں کرتا کہ ہم سرف خودرو گھاس کی طرح اُگتے اور مرکر گل سڑ جاتے ہوں ہمارا دل اندر سے یہی کہتا ہے کہ ہماری رُوح کو بعد موت کے بھی بقا ہے۔ یہ نہ فنا ہوئی ہے نہ ہوگی! اور یہ خیال عجیب عجیب قسم کی اُمیدیں دلاتا ہے *

صرف یہی لاعلمی کہ موت کے بعد واقعی کیا پیش آتا ہے اس دنیا میں مختلف مذاہب کا باعث

ہوئی اور ہو رہی ہے مگر کل مذاہب کا وحشیوں کی بت پرستی سے لیکر اعلیٰ درجہ کے مذہب عیسائیت اور اسلام تک. عام اصول یہ ہے کہ انسان خود اپنا مالک نہیں ہے بلکہ کسی خالق. کسی خدا کسی برتر قدرت یا قانون کا محکوم ہے. ذرا سی مصیبت کا سامنا ہوا اور وہ مالک وہ حاکم یاد آیا فوراً مشکل پیش آئی اور دل نے اُس کی حمایت اور آغوش عافیت ڈھونڈھی اور جہاں ہم نے اپنے خدا پر بھروسہ کیا اور دلکو خود بخود تقویت اور طمانیت ہوئی جہاں خطرہ کے وقت سچے دل سے آواز نکلی کہ خدایا مجھے بچائیو وہیں فوراً دل خوش کُن تسلّی دہ. تسکین بخش جواب ملا کہ میں تیری حفاظت کو تیری شہ رگ سے قریب تر موجود ہوں (نحن اقرب الیہ من حبل الورید)

واقعی قابل رحم ہے اُس شخص کی حالت جسکا خدا نہیں (یعنی جسے خدا کا اعتقاد نہیں) جسے وہ خطرے اور مصیبت کے وقت پکارے اور جسپر بھروسہ کرے اور ایسے ایک دو نہیں اس روشنی اور تہذیب کے زمانے میں بہتیرے ہیں جنکو دنیاوی عقل نے اندھا کر رکھا ہے جو اپنے علم اور سائینس کے ناز میں اپنے خدا کو بھول گئے ہیں مگر خدا انکو نہیں بھولا مذہب اور سائینس میں بے طور مقابلہ ہو رہا ہے مذہب بتاتا ہے کہ انسان خدا کا ہم شبیہ ہے اہل سائینس کہتے ہیں نہیں انسان قوم میموں (بندر) کا اعلیٰ ترین اور کامل نمونہ ہے مگر ہم اپنے اصلی مضمون سے بہت پرے ہٹ گئے. خیر

اہل مذاہب نے جب یہ مان لیا کہ روح ہی اور وہ اس جسم خاکی سے علٰحدہ ہونے کے بعد بھی فنا نہیں ہوتی تو انہوں نے یہ فیصلہ بھی اپنے اپنے قیاس کے مطابق کیا کہ اُس روح کو بعد موت کیا پیش آتا ہے. جس طرح تمام مذاہب کا پہلا اصول کسی نہ کسی قوت مافوق بشری کو ماننا ہے اسی طرح دوسرا عام اصول کل مذاہب کا یہ ہے کہ روح کو بعد مرگ اُن افعال کی جزا و سزا ملتی ہے جو اُسنے قالب خاکی میں قیام کے وقت کیے تھے بداعمالیوں کی پاداش میں وہ طرح طرح کے عذاب میں گرفتار ہوتی ہے اور نیک کاموں کے صلہ میں خلاف از قیاس انعامات ملتے ہیں مگر اولاً تو اعمال نیک و بد کی تفریق میں مذاہب کا بیحد اختلاف ہے جو فعل ایک مذہب میں جایز بلکہ مستحسن ہے دوسرے مذہب میں باعث گناہ کبیرہ ہے دوسرے عاقبت میں سزا و جزا کی صورت نوعیت کیا ہوگی اس میں بھی اہل مذاہب نے زمین آسمان کا اختلاف کیا ہے۔

(۱) مذاہب قدیم کے پیرو آواگون یعنی تناسخ کے قائل ہیں اُن کے خیال کے مطابق روح کو بداعمالی کی سزا بھگتنے کے لیے پھر اسی دُنیا میں نئی جون یعنی دوسرے قالب میں پیدا ہونا پڑتا ہے انسان جسقدر بداعمالیاں زیادہ کرتا ہے اُسیقدر اُسکا دوسرا جنم کمتر درجہ کا اور تکلیف دہ ہوتا ہے مثلاً کسی امیر کبیر نے کچھ پاپ

یعنی بُرے کام کیے تو اُسے دوسری مرتبہ مہتر۔ چمار۔ یا دھوبی کا جنم لینا پڑتا ہے گویا وہ عیش و آسائش جو اُسنے اس جنم میں اُٹھائے تھے چھن جاتے ہیں اور اُسکی بجائے اُسے دُکھ اور تکالیف کی زندگی ملتی ہے اگر بد اعمالیاں بہت زیادہ ہیں تو وہ بجائے انسان کے جانور کی جُون میں پیدا کیا جاتا ہے اور زیادہ تکالیف اُٹھانے کا مستحق ہوتا ہے پاپ بہت ہی زیادہ ہوں تو بدترین اور محنت کش جانوروں میں پیدا کیا جاتا ہے طرح طرح کی مصائب اور تکالیف اُٹھاکر جب جیو (رُوح) اپنے کرموں کی سزا بھگت لیتا ہے تو پھر بتدریج ترقی کرتا ہے اور زمانہ ترقی میں اگر پھر پاپ کیئے تو پھر اوندھے مونہہ گرتا ہے اگر کوئی شاذونادر تمام پاپوں سے پاک صاف ہوگیا تو وہ **بیکنٹھ**۔ نروانا یا نوانا (ایک ہی مقام کے مختلف نام ہیں) میں جوکہ مقام امن و آسائش ہے ابدالآباد (ہمیشہ ہمیشہ) کے لئے داخل ہوجاتا ہے۔

اس مسئلہ کو ماننے سے اس کے نتیجہ میں ہم کو اور بہت سی باتیں مجبوراً ماننی پڑتی ہیں۔

(۱) **بیکنٹھ** یا نروانا حاصل کرنا بہت ہی اہم کام ہے اور شاذونادر ہی کوئی جیو لکھو کھا برس کی کوشش کے بعد ہزارہا **جُونیں** بدلکر اُس میں داخل ہوتا ہو تو ہو ورنہ عام نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی متقی و پرہیزگار ہو گناہوں سے پاک ہرگز نہیں ہوسکتا پھر لامحالہ اُسے دوسری جُون میں آنا فرض ہے اور یہ نہایت ممکنات سے ہے کہ دوسرے جنم میں اُس کے گناہوں کی تعداد بڑھجائے اور نئے جنم میں پاپ ریوڑیوں کے پھیر کی طرح بڑھتے ہی جائیں اور رُوح کو کبھی کولہو کے بیل کی طرح اِس چکر سے نجات ہی نہ ملے۔

(۲) ہماری موجودہ زندگی پہلی زندگی نہیں ہے بلکہ صدہا یا ممکن ہے کہ ہزارہا جُونیں ہم بدل چکے ہیں مگر ہمیں ایک جُون کا بھی عیش و آرام یا مُصیبت و آلام یاد نہیں اور جبتک پہلا عیش یاد نہو موجودہ تکالیف ایذا رساں تو درکنار محسوس بھی نہیں ہوتیں اسی طرح جب تک عقوبت اور سزا کا اثر دماغ پر باقی نہ رہے وہ سزا محض بیکار ہے جب ہم کو یاد ہی نہیں کہ ہم نے پچھلے جنم میں ایسی ایسی سزائیں اُس سے پہلے جنم کے پاپ اور گناہوں کے عیوض میں بھگتی تھیں تو اب پھر ہم کو اُن گناہوں سے روکنے والا کون ہے اور جب وہ سزا یاد ہی نہ رہی تو اُس کا فائدہ کیا ہوا کسی پاگل کو آپ بہتیری تکلیف دیجئے مگر وہ باربار اُسی فعل کا مرتکب ہوگا جس کی پاداش میں وہ سزا دیجاتی ہے وجہ کیا کہ اُسے نہ یہ ادراک ہے نہ یاد رہتا ہے کہ ایسا کرنے سے ہم کو سزا ملتی ہے۔

(۳) مثل عیسائی عقیدے کے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ جتنے انسان اب اِس دنیا میں پیدا ہوتے ہیں وہ سب پاپی یعنی گنہگار ہوتے ہیں اور اسوقت دنیا میں جسقدر مخلوق موجود ہے یعنی تمام انسان و حیوان شاہ سے گدا اور مہاتما سادھو اور پنڈت سے لیکر ڈشٹ ملیچھ تک سب پہلے جنم کے پاپی ہیں (کیونکہ اگر پاپی نہ ہوتے تو نروانا یا بیکنٹھ میں داخل ہو چکے ہوتے) اور جو ہم سے کم درجہ کے اور زیادہ تکلیف میں ہیں وہ ہم سے زیادہ پاپی ہیں اور تمام حیوان، شیر، بلی، کتا، گھوڑا گدھا بھینس گائے سب مہا پاپی ہیں۔ پہلے جنم میں جن انسانوں نے بہت ہی بُرے کرم اور بعد درجہ کے پاپ کئے تھے وہ اب جانوروں کی جُون میں ہیں اور یہ مہا پاپی اِس جون میں اپنے کرموں کا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔

(۴) اب جو کچھ ہم کرتے ہیں اُس میں پُن ہے نہ پاپ صرف پچھلے کرموں کا نتیجہ ہے۔ جو تکلیف ہم کو کسی سے پہونچتی ہے وہ ہمارے پہلے جنم کے پاپ کی سزا ہے اُس میں کسیکا کچھ قصور نہیں اور جو تکالیف ہم کسی دوسرے کو دیتے ہیں وہ اُس کے کرموں کا پھل ہے اُس میں ہمارا کچھ قصور ہے نہ اختیار اور نہ پاپ ایک قانون یا پرمیشور جو ہم پر حاوی ہے ہم سے وہ کام قدرتاً لے رہا ہے ہمارا بس نہیں جو ہم اُس قانون قدرت کے خلاف کر سکیں ہم چاہتے ہیں کہ ہم کسیکو قتل نہ کریں مگر وہ ہمسے قتل کراتا ہے کیونکہ جس کو ہم قتل کرتے ہیں اُس سے ہمیں پہلے جنم کا بدلہ لینا ہے۔ کوئی جانوروں کو بیرحمی سے مارتا ہے گاڑی اور ہل میں سونٹے مار مار کر چلاتا ہے اور کوئی اُنہیں ذبح کرکے کھاتا ہے تو وہ کچھ پاپ نہیں کرتا کیونکہ قانون فطرت نے اُسے اِسی کام پر مقرر کیا ہے کہ وہ اِن مہا پاپیوں کو پچھلے کرموں کا مزا چکھائے اور پہلے پاپوں کی مقررہ سزا دے۔ جس طرح اہلکار سرکار کسی قانونی مجرم کو سخت سے سخت سزائیں دیتے حتی کہ پھانسی دیکر اُس کی جان لینے تک میں خود مجرم نہیں ہوتے بلکہ اپنا فرض منصبی ادا کرتے اور مستحق انعامات ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ اہلکار قدرت جو مہا پاپیوں یعنی جانوروں کو تکلیف دینے اور قتل کرنے پر قدرت کی طرف سے مامور ہیں وہ بھی اپنے کار منصبی کی انجام دہی سے اب خود پاپی نہیں ہوتے بلکہ اُن مہا پاپیوں کو جو اب جانوروں کی جُون میں ہیں اُن کے کرموں کی سزا مناسب دیکر حتی کہ انکو اُن کے پرانے پاپوں کی سزا میں قتل کرکے اپنے حاکم یعنی پرمیشر کے آگے سرخرو ہوتے ہیں اور بسا اوقات خود پہلے جنم کا بدلہ لیتے ہیں پھر جیو ہتیا سے آدمی پاپی کیوں ہونے لگا عیوض معوض گلہ ندارد۔

اِن نتایج پر غور کرکے نہ تو مسئلہ تناسخ ہماری سمجھ میں آتا ہے نہ اُسپر ہمارا اعتقاد جمتا ہے قایلان مسئلہ غور کریں کہ یہ مسئلہ کہاں تک قابل وثوق ہے +

دیگر مذاہب کا اعتقاد ہے کہ اعمالِ دُنیاوی کی سزا اور جزا کے لئے مُلک عدم ہی میں مقامات موجود ہیں جنکے نام ہر زبان میں دوزخ اور جنّت کے معنی کے ہیں کسی کو مرکر پھر اس دنیا میں آنے کی ضرورت نہیں ہے اچھے لوگ جنّت میں اور بُرے دوزخ میں جاتے ہیں اس مسئلہ کو ماننے سے یہ سوال پیدا ہوتے ہیں (۱) کون اچھا ہے (۲) کون بُرا ہے۔ ہمارے خیال میں تو موجودہ زمانے میں ایک بھی اچھا نہیں حضرت عیسیٰؑ نے ایک مرتبہ خود اپنی نسبت فرمایا تھا کہ تم مجھے کیوں اچھا کہتے ہو اچھا سوائے ذات باری کے اور کوئی نہیں ہے اتنے بڑے پیغمبر کا جب اپنی نسبت یہ خیال تھا تو ہماری تمہاری تو کیا ہستی ہے جب کوئی بھی اس دُنیا میں اچھا نہیں تو جنّت میں پھر جائیگا کون اور اگر جائینگے بھی تو لاکھوں میں اِکّا دُکّا +

ایک زمانے میں جب میرے مذہبی خیالات محدُود تھے تو میرا قیاس تھا کہ جنّت نسبتاً دوزخ سے بہت ہی چھوٹی سی جگہ ہوگی کیونکہ واعظوں سے یہ سُنتا تھا کہ سوائے مسلمانوں کے اور سب دوزخی ہیں اور مسلمانوں میں بھی ۷۱ فرقے ناری اور صرف ایک فرقہ ناجی ہے اور اُس ناجی فرقے میں سے بھی صرف وہی جنّت میں جائینگے جو گناہوں سے پاک ہیں اور جسنے ایک گناہ بھی کیا مثلاً ایک وقت کی نماز قصداً قضا کی وہ چالیس برس دوزخ میں رہیگا اور وہاں کا ایک دن یہاں کے ایک ہزار برس کے برابر ہوگا یہ باتیں سُنکر میری رُوح کانپتی تھی جہانتک میرا قیاس کام کرتا تھا سب مجھے گنُاہگار اور آلودہ معصیت نظر آتے سوچتا تھا کہ الٰہی جنّت میں کون جائیگا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

جس طرح اس دنیا میں کوئی عیب سے خالی نہیں ہے اسیطرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ پردہ دنیا میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں ہے جس میں کچھ نہ کچھ خوبی نہو کیسے ہی کیسا ہی گنہگار ہو ممکن نہیں کہ اُسنے اپنی عمر میں کچھ نیک کام نکئے ہوں ہے کوئی ایسا انسان جو اپنے ہم جنس کی نسبت یہ کہنے کی جرُات کرسکے کہ یہ شخص ہمیشہ کے لئے قابل نار ہے۔ ہمارا تو تجربہ ہے کہ جو دنیا میں ظاہرہ نیک ہوتے ہیں اُن کے عیوب گو کم ہوتے ہیں مگر وہ معدودے چند عیوب دوسروں کے صدہا عیوب پر سبقت لیجاتے ہیں اُنکا ایک گناہ اوروں کے صدہا گناہوں سے بدتر ہوتا ہے اور جو بدکار اوباش فاجر و فاسق ہیں اور جنکو دنیا نے قابل نار جہنم تسلیم کر رکھا ہے اُن کی قلبی حالت نیک خیالات اور عقاید اکثر اچھوں سے اچھے ہوتے ہیں +

اس وجہ سے عیسائی مذہب کے فرقہ رومن کیتھولک نے جنت اور دوزخ کے مابین ایک اور مقام پرگیٹری (عالم برزخ) مان رکھا ہے جہاں اُنکے عقاید کے مطابق روحوں کو کثافت سے پاک کیا جاتا ہے یعنی صغیرہ گناہوں کے عیوض میں طرح طرح کے عذاب دیے جاتے ہیں اور جب رُوح اپنے اعمال بد کی سزا یہاں بھگت چکتی ہے تو اُسے جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملجاتی ہے لیکن انکے اعتقاد کے مطابق یہاں کے عذاب میں عزیزوں کی دُعا نماز و نذر اور پادریوں وغیرہ کی سفارش اور شفاعت سے تخفیف ہوجاتی ہے مگر اُنہیں میں دوسرا فرقہ اسکا سخت مخالف ہے اور کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی خدائی (خدا کا بیٹا اور شریک خدا ہونے پر) اور مسئلہ کفارہ پر ایمان لانا جنت میں جانے کے لئے کافی ہے۔ یہاں نیکی و بدی میں تفریق اُٹھ جاتی ہے اُن کے عقاید کے مطابق اعمال سے کچھ سروکار ہی نہیں ایک خاص قسم کا اعتقاد بخشایش کے لیے کافی ہے جس نے تمام عمر گناہوں میں گذاری مگر وہ حضرت عیسیٰؑ اور اُنکے کفارے کا قائل ہے یا مرتے وقت اُن عقاید کا معتقد ہوگیا تو وہ قطعی جنتی ہے برعکس اسکے جسنے اپنی زندگی ریاضتوں میں گذاری نیک کام کیے اور تمام عمر عبادت خدا اور بہبودگی خلق اللہ میں صرف کی مگر اُن کے اعتقاد کے مطابق ایمان نہ لایا وہ دوامی جہنمی ہے۔

تقریباً اِسی قسم کا اعتقاد اس زمانے کے بہت سے مسلمان فرقوں کا ہے۔ اُن کے اعتقاد کے مطابق مسلمان اور مسلمانوں میں سے بھی صرف اُنکا فرقہ مخصوص جنت میں جائیگا جو لوگ اُس فرقہ میں نیک ہیں وہ مرنے کے بعد فوراً اور جو بد ہیں وہ کچھ دنوں دوزخ میں رہکر اور سزائے اعمال بھگت کر اور جو زیادہ گنہگار ہیں وہ تا قیامت وہاں رہکر بروز محشر بوسیلۂ شفاعت محمدی داخل بہشت ہونگے اور باقی کل مذاہب والے حتیٰ کہ مسلمانوں ہی کے دیگر فریق اُن کے عقاید کے مطابق قطعی جہنمی ہیں اور ابدالآباد تک وہاں رہیں گے۔

مگر ہمارے مذہب اسلام کی تو یہ تعلیم ہے نہیں

قرآن شریف میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ؁ (سورۂ بقرہ)

بیشک جو لوگ ایمان والے (یعنی مسلمان) ہیں اور جو لوگ یہودی اور عیسائی اور صابی ہیں (یعنی

علاوہ مسلمانوں کے غیر مذہب والے بھی) اُن میں کے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے اُنہیں پروردگار اجر دے گا اور اُنکو (عاقبت میں) نہ ڈر اور خوف ہوگا نہ حزن و ملال +

صرف یہی ایک آیت نہیں بلکہ اس قسم کی اکثر آیتیں کلام پاک میں موجود ہیں چنانچہ دوسری آیت سورہ نسار میں ہے وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ۝ اور جو نیک کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور مومن بھی ہو گا وہ جنت میں داخل ہو گا اور اُسپر نقیر برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا +

اسلام پاک کی اصلی تعلیم پر غور کرنے سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یعنی اپنے خالق اصلی کو جاننا اور پہچاننا اور اُس معبود حقیقی کو وحدہٗ لاشریک ماننا انسان کا پہلا فرض ہے جسنے یہ فرض عظیم ادا کیا یعنی اپنے معبود حقیقی کو پہچانا اور شرک سے بچا وہ خواہ کسی فرقے اور کسی مذہب کا ہو یقینی امیدوار اور مستحق انعامات ربانی ہے۔

شرک کی اسلام میں سخت ممانعت ہے اور صرف شرک ایک ایسا گناہ ہے جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا چنانچہ کلام پاک میں ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ج۔ بیشک اللہ تعالیٰ (گناہ) شرک کو معاف نہیں کرتا۔ اس کے سوا اور گناہوں کو بخشدیتا ہے اگر چاہتا ہے + (سورہ نسار)

شکر ہے اُسی رب العالمین کا کہ اس کرۂ خاکی کے باشندے اب شرک سے مجتنب ہو کر راہ راست پر آتے جاتے اور خدائے وحدہٗ لاشریک کے قائل ہوتے جاتے ہیں۔ عیسائیوں میں علاوہ فرقۂ یونیٹیرین (مواحد) کے دیگر فریق بھی اب رفتہ رفتہ مسئلہ تثلیث سے انکار کرتے جاتے ہیں۔ ہندو مذہب بھی صدہا جونیں بدلنے کے بعد اب آریہ جون میں آکر وحدانیت کا قائل ہوتا جاتا ہے اور اکثر بُت پرست قومیں بھی گو اپنی پُرانی لکیر کے فقیر ہیں مگر خود مقر ہیں کہ بت قابل پرستش نہیں ہیں نہ واقعی انکی پرستش کی جاتی ہے۔ پرستش کے قابل وہی ذات پاک ہے اور ہم اُسی کی پرستش کرتے ہیں مگر ہمارے بُت اُس کی یاد دہانی اور یکسوئی خیال کا کم از کم جاہل کم فہموں کے لیے ایک ذریعہ ہیں۔ اُمید ہے کہ وہ دن عنقریب آنے والا ہے کہ یہ کم عقل بھی اس درمیانی ذریعۂ عبادت کے محتاج نہیں رہینگے اور

جوں جوں دُنیا کی عمر بڑہتی جائیگی اُن میں بہی اتنی عقل آتی جائے گی کہ بُت کو سامنے بٹہا کر یاد خدا کرنیکی اُنہیں ضرورت نہیں رہیگی بلکہ براہِ راست وہ اُسی کے آگے سر نیاز جہکائیں گے جو عبادت کے قابل ہے +

اس قسم کے عقاید مذہبی کو ماننے سے کہ اللہ پاک صرف کسی خاص قوم یا فرقے یا مذہب والوں کو بخشیگا اور باقی سب کو ابدالآباد کے لیے دوزخ میں جلائے گا۔ اُس رب العالمین کی شان رحیمی پر بہت بڑا الزام آتا ہے اور ہمارے نزدیک تو اُسکی شان رحیمی سے انکار کرنا ہی کفر ہے۔ مُمکن نہیں کہ وہ غفور الرحیم جو اپنے بندوں کو اسقدر چاہتا ہے جسقدر ماں اپنے دُودھ پیتے بچے کو بلکہ اُس سے بہی زیادہ اپنے بچوں کو صرف چندروزہ زندگانی اس دنیا میں دیکر (جو خود اُس کے نزدیک ایک لمحہ سے بھی شاید کم ہے) پہر ہمیشہ ہمیشہ نار جہنم میں جلائے اور اُسکا دل نہ دُکہے۔ ہے کوئی اس دنیا میں ایسا بے رحم سے بیرحم شقی القلب انسان جسے معلوم ہو جائے کہ اُسکے یہاں جتنے بچے پیدا ہونگے اُنہیں اپنے ہاتہوں سے اُسے خود جلانا پڑے گا یا وہ ہمیشہ مُصیبت اور تکلیف میں رہینگے اور یہ معلوم کر کے ہی وہ بچے پیدا ہونے کی خواہش کرے۔ ہم نے تو جاہل سے جاہل بدکار سے بدکار اور اشد ظالم مرد اور عورتوں کو یہی کہتے سُنا ہے کہ خدا اولاد کا دُکہ اور تکلیف نہ دکہائے۔ اِس سے بہتر ہے کہ اولاد دے ہی نہیں جب انسان کا یہ حال ہے تو وہ رب العالمین ارحم الرّاحمین جو عالم الغیب ہے اور اپنے ایک ایک بندے کے آیندہ افعال اور قسمتوں کو دُنیا کے پیدا کرنے سے ہی پہلے سے جانتا ہے کیونکر جان بوجہکر جہنم کا ایندھن بنانے کے لیے اپنے بچوں کو دُنیا میں بہیجے چلا جائیگا۔ لوگ کہتے ہیں کہ "امتحان کے لیے بندوں کو دُنیا میں بہیجتا ہے کہ دیکھیں یہ بندے ہماری اطاعت اور عبادت کرتے ہیں یا نہیں اور جب اُس کی عبادت نہیں کرتے تو اُسے ہی غصہ آتا ہے اور جس طرح ماں باپ غصہ میں اپنے بچوں کو سزائیں دیتے ہیں اُسی طرح وہ قہار بہی اپنے بندوں کو اُنکے اعمال بد کی سزا دیتا ہے" اول تو ہم اسی کے قائل نہیں کہ اُسے ہماری اطاعت اور عبادت کی پرواہ ہے اور ہمارا دُنیا میں آنا بغرض امتحان ہے۔ اور مانا کہ یوں ہی سہی۔ مگر شروع سے آدم ہی نے اطاعت نہ کی تو اُنکی اولاد کیا خاک اطاعت کرے گی اور اب ہزاروں برس سے دیکہ لیا کہ کروڑہا میں صرف ایک دو بندے اطاعت کرتے ہیں باقی سب دُنیا میں جاکر نافرمان ہو جاتے ہیں اور جوں جوں دنیا کی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے اور قیامت قریب آتی جاتی

ہے بندوں کی بداعمالیاں بڑھتی جاتی ہیں یہ جان بوجھکر بے گناہ معصوم ارواحوں کو دنیا میں ذراسی* دیر کے لیے بھیجکر گنہگار اور ہمیشہ کے لئے جہنمی بنانے سے کیا حاصل آزمایش ہوچکی اور معلوم ہوگیا کہ یہ ضعیف البنیان قابل امتحان نہیں ہے پھر اس طرح اپنے بچوں کو برباد کرنے سے فائدہ کیا +

یہ بھی مانا کہ ماں باپ اپنے بچّوں کو برے کاموں کی سزا دیتے ہیں مگر ہم نے تو آجتک نہیں سنا دیکھنا تو درکنار کہ کسی کی اولاد ذراسی دیر نافرمانی اور بیہودگی میں گذارے اور وہ اسکی سزا میں قمچی لیکر تمام عمر اولاد کو مارے اور پیٹے جائے یہی دیکھا ہے کہ بچے باوجود ممانعت اور تہدید اپنا وقت لہو ولعب میں گذارتے ہیں دوسروں سے لڑتے بھڑتے کٹتے مرتے ہیں اور پٹ پٹاکر جب خاک ومٹی میں سنے روتے بسورتے گھر میں آتے ہیں تو ماں بیچاری مامتا کی ماری دوڑ کر کیچڑ میں بھرے میلے کچیلے بچے کو گود میں اٹھا کر اس کے آنسو پونچھتی ہے موہنہ دھلاتی ہے پیار کرتی ہے اور محبت سے کلیجے سے لگالیتی ہے ہاں اگر قصور بہت زیادہ ہوا تو ایک آدھ تھپڑ یا دو چار قمچیاں بھی مارتی ہے مگر ہولے سے نا قابل برداشت نہیں اور وہ بھی اوپری دل سے دھمکانے کے لئے تاکہ آیندہ پھر ایسا نہ کرے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ماں باپ اپنے دل پر جبر کرکے یا بعض اوقات غصہ میں بچوں کو سزا دیتے بھی ہیں تو انہیں کی آیندہ زندگی سدھارنے کے لیئے اس سزا سے بچوں ہی کی بہتری و بہبودگی مقصود ہوتی ہے۔ خدا کے بچے مر پٹ کر مصیبتیں جھیلکر جب اس کے پاس گئے مانا کہ سرتاپا گنہگار ہی لیکن اسے ہمیشہ ہمیشہ انکو دوزخ میں جلانے سے کیا حاصل۔ اگر یہ بھی کہا جاتا کہ خدا ہماری بداعمالیوں کی سزا ہمکو دیکر پھر اس دنیا میں بھیجدے گا کہ جاؤ اب کے ایسا قصور پھر مت کرنا تو یقین ہی ہوتا کہ ہاں ہمیں وہ سزا ہماری آیندہ زندگی کی اصلاح اور ہمارے ہی فایدے کے لیے ہوگی۔ مگر جب پھر اس دنیا میں ہمیں بھیجنا نہیں ہماری آیندہ زندگی سدھارنی نہیں تو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں جلانے سے کیا مدعا۔ سزا اس لئے دیجاتی ہے کہ آیندہ کو کان ہوں۔ سزا پاکر بدفعلیوں سے بچنے کی کوشش اس لیے کی جاتی ہے کہ پھر وہ سزا اور تکلیف نہ ملے مگر دوزخ میں ہمیشہ کے لئے رکھنے سے تو دونوں نتائج مفقود ہوجاتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ خدا ایسا بیرحم بھی تو نہیں جو خواہ مخواہ ہمیں جلتا دیکھکر خوش اور اپنے دلمیں باغ باغ ہو کہ ان کمبختوں نے ہمارا کہنا نہ مانا تو ہماری من مانی مراد آئی اب یہ ہمارے بس میں آئے ہیں تو ہم بھی خوب جی کھولکر انسے بدلہ

* اس دنیا کے سو برس بھی اللہ کے نزدیک ذراسا عرصہ ہے +

لینگے۔ ہمیں تو یقین نہیں آتا کہ وہ خالق جان بوجھکر معصوم ارواحوں کو گناہ گار بنا کر دوزخ بھرنے کے لیے دُنیا میں بھیج رہا ہے اور ذرا سی دیر کے لیے ڈھیلی چھوڑ کر پھر وہ ہمیں ایسا دِق کرے گا اور لوہے کے چنے چبوائے گا کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔ استغفر اللہ۔

اب پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اچھا مرنے کے بعد ہو گا کیا؟

دہریوں کی اس بات پر یقین نہیں آتا کہ ہم مر کر صرف خاک کا ڈھیر ہو جاوینگے مسئلہ تناسخ کو بھی دل تسلیم نہیں کرتا اِس لئے (اور صرف اسلئے نہیں بلکہ علم روحانیت سے ثابت بھی ہو گیا ہے) یہ ماننا پڑتا ہی کہ عالم ارواح ضرور ہے جہاں مر کر سب جاتے ہیں لیکن عالم ارواح میں اگر جنت و دوزخ نہ ہوئے تو نیک و بد کام کرنے کا نتیجہ ہی کیا، کیوں انسان نیک کاموں میں اپنی عمر گنوائے اور کیوں نہ جی کی حسرتیں دل کھولکر اس دنیا میں پوری کرے اور چند روزہ زندگی میں خوب مزے اُڑا لے۔

اصل یہ ہے کہ عالم ارواح کا حال گو ابھی تک معمہ ہی ہے اور یہ راز خداوندی کسی کو نہیں معلوم ہوا کہ وہ کس کے ساتھ کیا کرتا ہے اور کیا کرے گا مگر یہ یقینی امر ہے کہ افعال کا بدلہ ضرور وہاں ملتا ہے اور ملیگا[1] نیکوں کو نیک (جبکہ وہ شرک سے پاک ہونگے) اور بد و نکو بد۔ خواہ وہ کسی فرقے کسی قوم کسی ملک اور کسی مذہب اور ملت کے ہوں مگر کسی کو اس دُنیاوی دو روزہ زندگی کے اعمال کی پاداش[2] میں ہمیشہ دوزخ میں رہنا پڑے ناممکن ہے۔

جنت و دوزخ کی صورت نوعیہ کیا ہے یہ بھی خدا ہی جانتا ہے اور ادراک انسانی مقامات عالم روحانی کی کیفیت اور نوعیت سمجھنے سے قاصر ہے۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ اُس غنی الحمید کو کسی کی عبادت کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہے اِس لئے یہ یقینی امر ہے کہ وہ اپنے پیارے بندوں کے (جو مشرک نہیں ہیں) اُن گناہان صغیرہ کو نہایت کشادہ دلی کے ساتھ معاف فرمائے گا جنکا صرف اُس کی ذات پاک سے تعلق ہے[*] مگر وہ قصور جو کوئی انسان

(۱) إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ط اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

(۲) مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهٖ لا۔ جو بُرا کام کرے گا اُسے اُسکا بدلہ دیا جائے گا۔

* إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا ط
اگر تم گناہان کبیرہ سے بچو گے تو تمہارے صغیرہ گناہ ہم معاف کر دینگے اور اپنے کرم کی جگہ میں داخل کر دینگے

اپنے ہم جنس کا کرے گا اُسے وہ معاف نہیں کرے گا اور حق العباد ہی گناہان کبیرہ ہیں اُنکی سزا ملیگی اور ضرور ملے گی۔ اس لئے پُرانے سے پُرانے مذاہب میں عبادت کا پہلا اصول یہ ہے کہ "اپنے خدا سے محبت کرو اور اُس کی مخلوق سے بھی محبت کرو"

اور دراصل یہ قول حافظ علیہ رحمۃ کا سونے کے حرفوں میں لکھنے کے قابل ہے۔

مُباش درپے آزار ہرچہ خواہی کُن که در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

اور دل آزاری سے بچنے کا نہایت آسان طریقہ اور سہل اصول یہ ہے۔

"آنچہ برخود نپسندی بر دیگراں مپسند"

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اس دُنیا میں کم از کم فی زمانہ نہ کوئی قابلِ جنت ہی ہے نہ قابل نار ابدی ہر شخص میں نیکی و بدی مخلوط ہے کسی میں یہ زیادہ ہے کسی میں وہ نہ کوئی بالکل ایسا ہے کہ جو فرشتوں سے افضل حوروں کی صحبت اور خدا کے فوری دیدار کے لائق ہو اور نہ اسقدر بدکردار کہ شیطان مجسم ہی ہو اور خداوند پاک کا وعدہ ہے کہ جس میں ایک ذرہ برابر بھی نیکی ہے اُسے بھی اُسکی جزا خیر ملیگی فَمَن یَّعمَل مِثقَالَ ذَرَّۃٍ خَیرًا یَّرَہٗ پھر انسان تو خدا کی شبیہہ ہے وہ کب نیکیوں سے بالکل خالی ہو سکتا ہے سائینس کی دیگر شاخوں کے ساتھ علم رُوحانیت میں بھی روز افزوں ترقی ہو رہی ہے لیکن علم معلومات ابھی محدود ہے وثوق کے ساتھ کوئی کسیکا پُورا حال نہیں بتا سکتا۔ ارواحوں سے باتیں کر لیتے ہیں اُنکا فوٹو (تصویر عکسی) تک کھینچ لیتے ہیں مگر تکمیل معلومات ابھی "ہنوز دلی دور است" کا مضمون ہے +

مسلمانوں کے ایک فریق یعنی اہل تصوف نے (نیز ماہران علم روحانیت نے) اولاً یہ مان لیا ہے یا ثابت کیا ہے کہ جس طرح درخت تخم میں مندرج رہتا ہے اُسی طرح ہر قسم کے موجودات مُمکنہ حضرت حقیقت الحقایق کی ذات میں مندرج تھے اور جس طرح تخم سے درخت کا ظہور ہوتا ہے اُسی طرح ذات محترم سے اِن عوالم اور اُنکی موجودات کا ظہور ہوا ہے وَاللہُ عَلیٰ کُلِّ شَیءٍ مُّحِیط وہ ذات پاک ہر شے میں ہے کوئی شئی غیر ذات حقیقت الحقایق نہیں ہے بلکہ ہر شے عین ذات حقیقت الحقایق ہے" مختصر یہ کہ تمام موجودات عالم امر و عالم خلق میں سے ہر چیز خداوند کریم کے وجود کا ایک جزو ہے اس لئے رُوح انسانی بھی اُسی وجود پاک کا ایک حصہ ہے۔

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن ہم کو تقلید تنک ظرفی منصور نہیں

اس سے یہ مقصود ہرگز نہیں ہے کہ ہر شخص اپنے تئیں خدا سمجھے۔ بقول

کہیں جوش میں آ کے بہنا نہیں سمجھنے کی ہی بات کہنا نہیں

درخت کا کوئی پتہ اپنے تئیں درخت یا پھول کی کوئی پنکھڑی اپنے کو پھول نہیں کہہ سکتی چہ جائیکہ تخم ہونیکا دعوی جب قطرہ پر دریا کا اطلاق نہیں ہو سکتا تو سمندر کا اطلاق کیونکر ہوگا ایسی ہی نسبت تشبیہی رُوح انسانی کو وجود خداوندی سے ہے۔

آدم کو خدا مت کہو آدم خدا نہیں لیکن خدا کی ذات سے آدم جدا نہیں

جب یہ معلوم ہوگیا کہ رُوح انسانی اُس رُوح پاک کا ایک جزو ہے تو اب یہ سمجھنا آسان ہوگا کہ اس جزو خفیف کو خرقۂ ناسوتی یعنی یہ قالب خاکی چھوڑنے کے بعد بھی اپنے مبدا اپنے مخزن یعنی رُوح پاک سے جُدائی یا یوں کہو کہ تقرب خداوندی حاصل نہ ہونا سب سے بڑا عذاب ہے "عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا" جس نے اس دُنیا میں عشق مجازی کا مزہ چکھا ہے اور فراق معشوق کے صدمے اُٹھائے ہیں وہ اب بھی کچھ سمجھ سکتا ہے کہ رُوح کو اپنے مطلوب اصلی سے فراق کی جلن کیسی ہوگی۔

آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں سوز غمہائے نہانی اور ہے

اُس فراق میں جو بے چینی اور جلن ہوگی اُسی کا نام دوزخ ہے اور رُوح کا رُوح اعظم سے وصال ہونا قطرہ کا دریا میں فنا ہو جانا جنت ہے اور طالب و مطلوب میں جب تک یکساں کشش نہو انمیں وصال ناممکن ہے۔ اِسی کشش کا نام محبت ہے اور اِسی محبت یا کشش پر انتظام عوالم کا دارومدار ہے۔ اس قانون قدرت سے خلاف ورزی باعث رنج و عذاب ہوتی ہے۔

ہر ذی ہوش اور خرومند جانتا ہے کہ جرم یا گناہ (گناہ عربی لفظ جناح سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی کجراہی یعنی اصلی راستہ کو چھوڑکر غلط راستہ پر چلنے کے ہیں) کے بعد جب دل خود لعنت و ملامت کرتا ہے یا اُس کے نتیجہ میں کوئی سزا بھگتنی پڑتی ہے کسی مصیبت کا سامنا ہوتا ہے تو رنج و افسوس کا دل و دماغ پر یا یوں کہیے کہ رُوح پر کیا اثر پڑتا ہے دِل میں کیسی کچھ جلن رُوح کو کیسی کچھ اذیت ہوتی ہے جب دُنیا میں خلاف قانون سلطنت کرنے سے طرح طرح کی اذیتیں اور پشیمانیاں ہوتی ہیں تو خلاف قانون فطرت کرنے سے اُن بداعمالیوں کے نتیجہ میں ہم کو جو اذیت روحی عالم

ارواح میں ہوگی اُس کی تشبیہہ عوام الناس کو سمجھانے کے لیے سوائے نارِ جہنم کے اور کس سے دیجا سکتی تھی واقعی کسی آگ میں اتنی گرمی نہ ہوگی جتنی سوزش قلب میں ہوتی ہے پھر اُس سوزش روحانی کا کیا بیان ہوسکتا ہے جو عالم ارواح میں رُوح کو فراق مطلوب و محبوب میں ہوگی اور دلپر غالب آجائیگی نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ یعنی جس نے جیسے خراب اعمال اِس دُنیا میں کیے ہونگے جسقدر زیادہ کام خلاف قدرت (حکم خداوندی کے خلاف) کرکے اپنے کو ناقابل رسائی بنایا ہوگا اُتنی ہی اُسکو رُوحانی اذیت زیادہ ہوگی اور رفتہ رفتہ اُن ارواحوں کو قایل ہونا پڑے گا کہ یہ ہماری غلط کاریوں اور ہمارے ہی کیے کا نتیجہ اور ہمارے ہی کرموں کا پھل ہے۔

جو کچھ ہیں یہ سب اپنے ہی ہاتھوں کے ہیں کرتوت

اس دُنیا میں نہیں تو اُس عالم رُوحانی میں اُنکو ثابت ہوجائیگا کہ قوانین قدرت پر عمل کرنا یعنی احکام خداوندی کے آگے سرنیاز جھکانا ہمارا فرض ہے۔ وہ بداعمال وہ گنہگار اُس سوزش رُوحانی کے عذاب میں ارحم الراحمین کی مرضی اور خوشی سے نہیں بلکہ اپنے کرتوتوں سے آپ گرفتار ہونگے اور آپ اپنا دوزخ بنائیں گے اور اُس دوزخ میں اُسوقت تک رہیں گے جب تک سچے دل سے اپنی بدعمالیوں پر پشیمان ہوکر اپنے خالق اپنے مالک کے آگے توبہ نہ کرینگے (توبہ بھی لفظ عربی ہے جسکے لغوی معنی غلط راہ کو چھوڑکر راہ راست پر آنے کے ہیں) یعنی قوانین قدرت کی اطاعت احکام خداوندی کی تعمیل سے پھر گریز کرنیکا خیال چھوڑکر سر تسلیم خم کرینگے اور مان لینگے کہ ہاں راہ راست سے ذرا بھی بھٹکنا ذرا بھی خلاف منشار قدرت کرنا اذیت اور مصیبت کا باعث ہوتا ہے۔

ممکن ہے کہ بعضوں کے لیے یہ سوزش ابدی ہو مگر اُنہیں ہٹ دھرموں کے لیے جو کسیطرح کجروی چھوڑکر راہ راست کو اختیار ہی نہ کرینگے اور محبت اور اطاعت خداوندی سے انکار ہی کیے جائینگے ورنہ بدتر سے بدتر گنہگار بھی جسوقت اپنی غلط کاریوں پر نادم ہوکر توبہ کرے گا اور اپنے تئیں اُن موجودہ بداعتقادیوں اور نافرمانیوں سے صاف کریگا جنکے باعث قدرتی کشش (محبت خداوندی کی برقی لہریں متنفر ہوکر پھر جاتی تھیں اُسوقت وہ رب العالمین جذبہ محبت سے کھینچکر اُس نادم اور پشیمان ارواح کو اِس طرح آغوش رحمت میں لے لیگا جس طرح محبت بھری ماں اپنے کیچڑ میں بھرے ہوئے خاک مٹی میں سنے ہوئے بچے کو پیارسے گود میں لیکر گلے لگالیتی ہے۔

تمام ارواحوں کی گذشتہ کثافتیں اُس روح پاک میں ذرا بھی دھبہ نہیں لگا سکینگی ہزارہا برس سے صدہا دریا تمام دُنیا کی کثافتوں سے آلودہ ہو کر سمندر میں گر رہے ہیں مگر سمندر کا پانی آج بھی ویسا ہی صاف ہے جیسا ہزارہا برس پیشتر تھا روز ازل سے سورج کی کرنیں ہمارے کرۂ خاک پر روز مرّہ آکر غلیظ اور کثیف مقاموں پر پڑتی ہیں مگر جب اپنے مخزن میں واپس جاتی ہیں تو اُس کرۂ نور کو ذرا بھی کثیف نہیں کر سکتیں دریاؤں کا پانی سمندر میں اور سورج کی کرنیں سورج میں جاکر خود صاف ہو جاتی ہیں اسی طرح ہماری کثافتیں بھی جب ہم اُس روح پاک کا تقرب حاصل کرینگے صاف ہو جائینگی اور اِس وصال سے جو خوشی حاصل ہوگی وُہی جنت ہے جو مقامات تقرب ارواحوں کو قیام کے لیے ملیں گے وہ باغوں شاہی محلوں جواہرات سے مکلل عمارتوں وغیرہ سے بھی اِسقدر زیادہ خوشگوار ہونگے کہ اُنکی دُنیاوی مثال نایاب سے نایاب چیزوں سے بھی دیجائے جب بھی پُوری نہیں ہو سکتی جس طرح مادرزاد اندھے کو یہ بتانا مشکل ہے کہ سُرخ رنگ ایسا ہوتا ہے اور سبز و زرد اور گلابی وغیرہ ایسا ایسا اسیطرح انسان کو اُس بہار و ارسیلنری اور وہاں کے آرام و آسایش اور دلخوش کُن سامانوں کی مثال اصلی تو کیا تشبیہہ دینا بھی ناممکن ہے معمولی عقل کے انسان کو سمجھانے کے لیے یہی کہا جاسکتا ہے کہ جنّت میں نہایت خوشنما باغ ہونگے ٹھنڈے ٹھنڈے سائے ہونگے نہریں جاری ہونگی قیمتی پتھروں اور موتیوں کے محل ہونگے اور جن چیزوں سے انسان کا دل خوش ہو سکتا ہے وہ سب اعلیٰ درجہ کے پیمانے پر وہاں موجود ہونگی اور سب سے بڑی نعمت اور انسان کی اعلیٰ کامیابی تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہوگی۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

بعض اشخاص جنکو اپنے زُہد و عبادت پر ناز اور شاید اپنی بخشایش کا پُورا بھروسہ غالباً کہیں گے کہ مُرنے کے بعد جب سوزش یعنی عذاب کو دیکھہ لیا تو پھر توبہ قبول ہی نہوگی غیب پر ایمان لانے کا تمام اسلام داطاعت قدرت اہے جنہوں نے دُنیا میں احکام خداوندی سے سرتابی کی اُن کم بختوں کا ہمیشہ دوزخ میں جلنا ہی اچھا ہے اُس معبود حقیقی کی شان رحیمی کو اِسقدر محدُود خیال کرنا ہمارے خیال میں تو انسان کی لاانتہا گستاخی ہے۔

قرآن پاک میں ہے قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۝

(ترجمہ) کہو کیا تم نے دیکھا ہے کہ تم پر عذاب اللہ یا قیامت آجائے تو تم خدا کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر سچے ہو بلکہ اُسی کو پکارو گے اور جس لئے تم اُسے پکارو گے اگر وہ چاہیگا تو اُسے دُور کر دیگا اور اُنھیں بھول جاؤ گے جنہیں تم خدا کا شریک کرتے ہو"

یعنی عذاب کو دیکھکر یا بروز قیامت مُشرک بھی اپنے معبودان باطل کو بھول جائینگے اور مدد کے لئے معبُود حقیقی ہی کو پکارینگے اور اُسوقت دریائے ترحم جوش میں آئیگا اور وہ غفور الرحیم اُس وقت عذاب کو دُور کر کے اُن نادم ارواحوں کو آغوش رحمت میں چھُپالیگا اگر چاہے گا۔ اور ضرور ایسا ہی کرے گا +

اِس آیتہ پاک سے ظاہر ہے کہ جو کج فہم ارواحیں عالم رُوحانی میں پہونچکر اُس دکتی ہوئی آگ کے عذاب میں بھی مُبتلا ہو کر جو دلکو جلاتی ہے (یعنی سوزش قلبی) کجروی (یعنی شرک اور نافرمانی) سے تایب نہ ہونگی وہ بھی بروز قیامت اپنے کیے پر پشیمان اور نادم ہو کر اُس معبُود حقیقی ہی کو مدد کے لیے پکارینگی اور بروز قیامت ایک جزو ادنیٰ بھی ایسا نہیں باقی رہیگا جس سے رُوح اعظم کی برقی لہریں متنفر ہوں +

شیخ المشایخ جناب حسن نظامی صاحب فرماتے ہیں جو سمجھ میں آتا ہے۔

"کس کی جنت کس کی دوزخ اُنھوں نے بچارے بندوں کو کن کی اُنگلی پر نچا رکھا ہے کبھی کہتے ہیں جنت دُونگا کسی کو کہتے ہیں دوزخ میں ڈال دُونگا کہیں دیدار کا وعدہ کرتے ہیں کسی کے سامنے صاف مکر جاتے ہیں کہ بھلا مجھ کو کون دیکھ سکتا ہے میں کہیں دیکھنے کی چیز ہوں ..... مانا تم خدا ہو تم قدرت والے ہو تم کو سب کچھ آتا ہے مگر اِن اپنی بنائی ہوئی مُورتوں کے ستانے میں کیا رکھا ہے اِس میں آپ کو کیا مزا ملتا ہے ہم تو جانیں جب تک کُن فیکون کا عملدرآمد ہے ہر ہستی دوزخ میں ہے اور جب یہ دَور ختم ہو جائیگا ہر وجود جنت میں چلا جائیگا" (صوفی جلد ۱۳ نمبر ۱، جنوری ۱۹۱۵ء ربیع الاول ۱۳۳۳ھ) +

یہ سچ ہے اور ہمیں بھی یہی اُمید ہے کہ وہ غفور الرحیم ایک دن اپنے سب بندوں کو جنت میں جمع کریگا + قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر ایک اپنے ہم جنس سے رغبت رکھتا ہے "کند ہم جنس با ہم جنس پرواز" اور اپنے ہم جنسوں ہی میں خوش رہتا ہے اِس قانون ہمرنگی کی اطاعت میں رُوح بھی اُس تبدیلی کے بعد

جسکا نام موت ہے اپنے ہم جنسوں ہی میں جانا پسند کرتی ہے یعنی اُس خطۂ روحانی کی طرف کھنچی ہے جو اُس کی اُس وقت کی حالت کے موزوں ہوتا ہے اپنے سے اعلیٰ درجہ کی ارواحوں میں خواہ وہ فرشتے ہوں یا حوریں یکایک جانا بجائے خوشی اور آرام کے یقینی بےچینی کا باعث ہوگا۔ ناظرین آپ خود اپنے دل میں سوچیے کہ کسی مہذب شائستہ محفل میں کوئی اُجڈ گنوار آجائے تو وہ کیسا کچھ شرمندہ۔ کھسیانہ اور پریشان ہوگا اور اُس کی موجودگی بے ڈھنگے افعال و اقوال بدتمیز حرکتیں خود ارباب محفل کے لئے کس قدر باعث پژمردگی ہونگی۔ کوئی بھی اپنے ہمجنسوں سے علٰحدہ ہو کر خوش نہیں رہ سکتا +

یوسف کہ بمصر پادشاہی میکرد　　میگفت گدا بودن کنعاں خوشتر

یہی حال ہم گنہگاروں کا عالم ارواح میں ہوگا یکایک محفل کروبیاں میں جاکر ہم خوش نہیں رہ سکتے گو ہم کو وہاں جانے کی اجازت ہی کیوں نہ ملجائے۔ وہاں کی تجلی ہماری کمزور آنکھوں کو چندھیا دیگی اور فرشتوں اور حوروں　یا یوں کہئے کہ نورانی ارواحوں کے جاہ وجلال کو دیکھہ دیکھہ کر ہم آلودۂ معصیت شرم سے پسینہ پسینہ ہو جائینگے دُنیا میں نیک بندوں کی ارواحیں بھی کثافت سے خالی نہیں ہیں نورانی ارواحوں کے سامنے ہم اپنی کثیف حالت میں یکایک اگر جائیں تو ہماری حالت قریب قریب وہی ہوگی جو ایک غلاظت بھرے تالاب کی مچھلی کی اگر اُسکو غلیظ پانی سے نکالکر تجلی آفتاب میں لے آئیں +

اس دُنیا میں ہماری عیب پوشیاں ہوئے جاتی ہیں مگر عالم نورانی میں ہمارا ایک ایک عیب اس طرح ظاہر ہوگا جس طرح خوردبین میں دیکھنے سے باریک سے باریک ذرّے دکھائی دینے لگتے ہیں +

یہ خیال عام کہ موت گویا طلسمی طور پر ہماری ارواحوں کی حالت بالکل بدل دیتی ہے سراسر غلط ہے رُوح جیسی لافانی شی کے لئے اس قالب خاکی سے علٰحدہ ہونا معمولی واقعات میں سے ہے اس واقعہ سے رُوحانی حالت میں ذرا بھی تغیر نہیں ہوتا۔ موت کوئی قوت اعجاز نہیں ہے جو انسان کو یکایک فرشتہ یا شیطان بنادے سائی کولوجی Psychology یعنی علم روحانی سے جنکو واقفیت ہے اور جنہوں نے رُوحانی حالات کے مشاہدے کی طاقت حاصل کرلی ہے

وہ بخوبی جانتے ہیں کہ بعد موت انسان کی شخصیت بالکل وہی قایم رہتی ہے جو کہ قبل موت تھی۔ عالم ارواح میں داخل ہونے کے بعد بھی اُس کے عادات وخصایل بالکل ویسے ہی رہتے ہیں جیسے دنیا میں تھے۔

جنکو اُس مشاہدہ کی طاقت ہے اکثر اُن کے مشاہدہ میں آیا ہے کہ بہت سے نادان بعد موت اسقدر بھی تمیز نہیں کر سکتے کہ اُن میں کیا تبدیلی ہوئی ہے وہ اپنے تئیں اُسی جسم خاکی میں محبوس سمجھتے ہیں اور روزمرہ اُسی طرح چلتے پھرتے اور معمولی کام اپنے خیال میں کرتے ہیں جس طرح زندگی میں کرتے تھے اور اکثر مہینوں بلکہ عرصہ تک اُسی مکان میں رہتے اُنہیں مقامات میں آتے جاتے ہیں جہاں زمانہ حیات میں اُنکا قیام وگذر رہتا اُن کی حالت بالکل اُس پرندے کی سی ہوتی ہے جو سالہاسال پنجرے میں بند رہا ہو اور پنجرے کی کھڑکی کھول دینے پر بھی اپنے تئیں مقید ہی سمجھے (اکثر جانور مثلاً کتے جو کہ بہت ہی وفادار ہوتے ہیں بعد موت مہینوں اپنے مالک کے ساتھ پھرتے اور وہی حرکتیں کرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں جو کہ وہ اپنی زندگی میں کرتے تھے)۔

پُرانے جاہلیت کے خیالات کہ مُردے کی رُوح چالیس دن تک اُسی گھر میں رہتی ہے جہاں واقعہ انتقال ہوا تھا یا چالیسویں تک روز اپنی لحد پر آتی ہے اسلیئے وہاں چراغ اور خوشبو وغیرہ جلانا ضروری ہے اغلب ہے کہ ایک حد تک درست ہیں اگر تمام ارواح ہیں نہیں تو وہ ارواحیں تو ضرور ہی وہاں رہتی یا آتی جاتی ہیں جنھیں اپنی تبدیلی یعنی موت کا احساس نہیں ہوتا غرضیکہ موت سے رُوحانی حالت میں سوائے قالب خاکی سے آزادی کے اور کوئی خاص بڑی تبدیلی نہیں ہوتی اگر موت کے بعد فوراً ہی انسان کی کُل نیکیاں برباد ہو کر وہ شیطان خلقت آزار ہو جائے یا کُل کثافتیں یکایک معدُوم ہو کر وہ قدوسیوں میں جا ملے تو پھر وہ۔ وہ انسان ہی کہاں رہا۔ وہ تو بالکل ہی ایک نیا مخلوق ہو گیا۔

کون کہہ سکتا ہے کہ وہ خالق بے نیاز کس کے ساتھ کیا برتاؤ کریگا۔ یہ خیال ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا کہ ہماری اس چندروزہ زندگی کی معدودے چند غلطیاں ہماری تمام آئیندہ اُمیدوں پر پانی پھیر دیں اور ایک دفعہ اِس دنیا میں ٹھوکر کھا کر پھر ہم کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا جائے۔ اِس سرائے فانی میں ہمارا دوروزہ قیام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہمکو ناکام بنادے اور ہم سوائے دوزخ کا ایندھن بننے کے

اور کسی کام ہی کے نہ رہیں. ممکن نہیں ہرگز ممکن نہیں. صرف اس کرۂ خاکی پر ہماری چند روزہ بُود و باش ہماری آیندہ قسمتوں کا فیصلہ نہیں کر سکتی. ہاں یہ ضرور ہے کہ جو کچھہ ہم یہاں کرتے ہیں اُسکا اثر آیندہ زندگی پر بہت کچھہ پڑے گا گو اس زندگی کے گُناہ ہمکو ہمیشہ کے لئے حصول مُدعا یعنی تقرب رُوح پاک سے محروم نہ کر سکیں تاہم وہ ہمارے عروج رُوحانی میں بہت زیادہ حایل ہونگے اور مدت فراق کو زیادہ کر کے ہمارے رُوحی عذاب سوزش قلبی اور جانکاہی کا بہت عرصہ تک باعث ہونگے*

بعض اصحاب کہیں گے کہ اگر مان لیا جائے کہ دوزخ نہیں ہے اور کوئی ہمیشہ کے لئے جنت (تقرب محبوب) سے محروم نہیں رہیگا تو دُنیا میں لوگ اور بھی زیادہ گُناہ کرینگے زیادہ بدکاریوں کے مرتکب ہونگے بیشک یہ ایک حد تک سچ ہے اور جاہلوں نادانوں کو سمجھانے کے لئے نوعی دوزخ کا قایم رکھنا ضروری ہے گو تجربہ نے اس دھمکی کو زیادہ فایدہ بخش ثابت نہیں کیا اور دُنیا کی ابتدائی عمر سے آجتک شاید بعض ہی گناہوں سے بچے ہوں اور اِس ڈراوے کو مانکر بدکاریوں سے باز رہے ہوں تاہم جو دوزخ اور جنت کے قایل ہیں اور دوزخ کے ڈر سے یا جنت کے لالچ سے بدکاریوں سے بچتے اور نیک کام نسبتاً زیادہ کرتے ہیں وہ بہت اچھے ہیں ہمیں اُنسے سروکار نہیں اُن کے اعتقاد اُنکو مبارک رہیں اور خدا اُنکو ہمیشہ نیک ہدایت اور نیکی کی توفیق دے کہ وہ صراط مستقیم کو نہ چھوڑیں اور فایز المرام اپنی منزل مقصود پر پہونچیں*

ہمارا یہ مضمون اُن عقلمندان وقت کے لئے ہے جنکو دوزخ کی دہمکیوں نے بدعقیدہ بنا دیا ہی جن کی بداعتقادی علم اور تہذیب کی ترقی کے ساتھہ بڑھتی جاتی ہے جو جنت اور دوزخ کے ذکر پر ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ ہیں کہاں زمین پر تو ہیں نہیں کیونکہ جغرافیہ دُنیا ہمیں معلوم ہی آسمان پر بھی نہیں ہیں کیونکہ آسمان خود کوئی چیز نہیں ہماری سائینس کہتی ہے کہ حد نگاہ کا نام ہے. پھر یہ وسیع رقبے کس جگہ پر واقع ہیں اجی نہ دوزخ ہے نہ جنت یہ سب کہنے کی باتیں ہیں.

ہمیں معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن ۔۔۔ دل کے خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہی

اور خدا کی بیرحمی. کینہ جوئی اور جبر و قہر وغیرہ کی اُن کہانیوں سے جو اکثر مذہبی لوگوں نے گھڑ رکھی ہیں ایسے بیدل ہوتے ہیں کہ اُس ذات پاک کے وجود ہی سے انکار کر بیٹھے ہیں. خدائے پاک اور جنت د

دوزخ پر ایمان لانے کی بجائے دہریے ہونے کو ترجیح دیتے ہیں اور "سیاہے کوے" بنکر عالم روحانی کے لیے انجانی میں اپنا دوزخ آپ بناتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اصلی حال کا سمجھانا ہمارا مذہبی فرض ہے÷

حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں دُنیا کی عمر کم تھی اُسوقت کے لوگوں میں رازہائے دقیق کے سمجھنے کی قابلیت نہ تھی اسلیئے مسیح علیہ السلام نے بہت سے راز اپنی اُمت کو نہیں بتائے بلکہ آیندہ آنے والے رُوح الحق کے لیے چھوڑ گئے اور جو کچھ بتایا بھی وہ بھی استعارات اور تشبیہات میں حضرت عیسیٰؑ کے چھہ سو برس بعد جب وہ رُوح الحق یعنی رسُول پاک ہمارے آقائے نامدار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے ہدایت خداوندی سے اُن تمام رازہائے سربستہ کی تشریح کرکے مذہب کو تکمیل پر پہونچا دیا اور ہر بات اس خوبی سے سمجھائی کہ جاہل اور کم سمجھ بھی اُسکو اپنے خیالات کے مطابق سمجھ لے اور سیکڑوں بلکہ ہزاروں برس کے بعد باوجود علم وعقل تہذیب وسائینس میں ہزار گُنی ترقی ہونے کے اُس بات کا نتیجہ عقلمندان وقت اور فلاسفرز صرف وہی نکال سکیں جو اُسکا اصلی مقصود ہے اُس اُمی عرب کی تعلیم میں آج تیرہ سو برس کے بعد بھی بڑے بڑے پروفیسرز اور فلاسفرز ایک ذرہ برابر نقص نہیں نکال سکتے۔ ہٹ دھرموں اور ناسمجھوں کا کچھ کہنا نہیں بقول ایک انگریزی مثل کے جسکا ترجمہ ہے کہ "بیوقوف وہاں در آنہ گھس جاتے ہیں جہاں فرشتے قدم اُٹھاتے ہوئے ڈرتے ہیں[1]۔

دوزخ کی تشریح کو جو کہ خاتم المرسلینؐ کی ہے ملاحظہ فرمایئے۔ اصل حدیث تو مجھے یاد نہیں مگر اُسکا خلاصہ مطلب یہ ہے "دوزخ کا طول پانچسو برس کا اور عرض پانچسو برس کا ہے اور دوزخ عمیق بھی اسقدر ہے کہ اُس میں پتھر پھینکا جائے تو پانچسو برس میں اُس کی تہ پر پہونچے"۔

ناسمجھ اور کم عقل سمجھیگا کہ دوزخ دہکتی ہوئی آگ کا بہت ہی بڑا عریض وطویل اور عمیق رقبہ ہے اس خیال سے اُس کی رُوح کانپنے گی عقلمند اصلی راز کو سمجھ لے گا کہ بدکاروں کے لئے کُل عالم کائینات دوزخ ہے کوئی جگہ مخصوص نہیں کثیف ارواح کہیں جائے زمین میں یا آسمان میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کہیں اُسے سوزش رُوحانی اور اپنے بنائے ہوئے دوزخ سے نجات نہیں ملے گی +

[1] (انگریزی مثل) Fools rush in where Angels fear to tread.

ناظرین یاد رکھئے کہ تمام خود غرضانہ افعال۔ دلشکن کلام۔ بُرے خیالات ہمارے رُوحی اعمالنامہ میں بکھے جاتے ہیں اور ہماری رُوحانی زندگی میں وہ لاانتہا سوزش نہانی اور عذاب جانکاہ کا باعث ہونگے اور جب تک اُن بداعمالیوں کا نتیجہ نہ ملیگا سوزش رُوحانی سے نجات نہیں ملے گی۔ بعض عیسائیوں کا خیال کہ حضرت عیسیٰ کی خدائی پر صرف ایمان لانا یا بعض مسلمانوں کا خیال کہ مرتے وقت صرف مونہہ سے توبہ کہہ لینا بخشایش کے لئے کافی ہے بہت زیادہ غلطی پر مبنی ہے بداعمالیوں کی پشیمانی سے ہماری آنکھیں تو جھکی ہی رہینگی اور دل میں خفت تو ہوتے ہی گی چاہے ہمارا چاہنے والا خدا ہمارے قصوروں کو ہمارے خاص عقیدہ پر ایمان لانے یا توبہ کرنے سے فوراً معاف ہی کردے۔ اور ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ خدا معاف بھی کرے گا تو وہی قصور جو اُس کی جناب میں کئے ہیں دوسروں کے قصور وہ ہرگز ہرگز معاف نہیں کرے گا جب تک دوسروں کا دین ایک ایک حبہ ادا نہ کردینگے ہمیں عروج اور قُربت نصیب نہیں ہوگی +

یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ نیک آدمی مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ ماہرین علم رُوحانی کے علاوہ عوام النّاس بھی قوانین فطرت پر غور کرنے سے اِس بات کو سمجھ سکتے ہیں۔

لاہُوت در جبرُوت ہیں جبرُوت در ملکوت ہیں   این ہرسہ در ناسوت ہیں گر عاقلے اے مردکار

جو کچھہ عالم نورانی ورُوحانی میں ہوتا ہے عالم ناسُوت یعنی یہ دُنیا اُسکا نمونہ ہے۔ اِس عالم ناسُوت کے انتظام کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز میں تغیر بتدریج ہوتا ہے۔ موسموں کو دیکھئے کیا آہستہ آہستہ تبدیل ہوتے ہیں۔ سخت گرمی کے بعد یکایک کڑکڑاتا جاڑا نہیں پڑنے لگتا بلکہ رفتہ رفتہ خُنکی بڑھتی ہے۔ دوپہر کا جگمگاتا آفتاب دُنیا کو یکایک آدھی رات کی تاریکی میں چھوڑ کر غایب نہیں ہوجاتا۔ اندھیری رات کے بعد صبح کا نور آہستہ آہستہ دُنیا کو منور کرتا ہے تاکہ ہماری نظریں یکایک خیرہ نہ ہوجائیں +

یہی حال ارواحوں کا ہوتا ہے اِس کرۂ خاکی پر سالہاسال کے قیام سے ہماری رُوحانی آنکھوں میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ یکایک نُور یزدانی کی برداشت کرسکیں۔ عالم ملکوت کے ادنیٰ طبقات سے جب ہماری رُوح رفتہ رفتہ عروج کرتی ہے تو جوں جوں اُس میں طاقتِ برداشت

آتی جاتی ہے ووں ووں تقرب حاصل ہوتا جاتا ہے اور رُوح کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے خالق اپنے مطلوب کی طرف جارہی ہے +

یہ علم رُوحانی خوشی اور شادمانی کا باعث ہوتا ہے اور رُوح مقام مقصود پر جلد پہونچنے کی اور بہی زیادہ کوشش کرتی ہے اور جوئیندہ یابندہ۔ بتدریج عروج کے ساتھ اُس میں سُننے سمجھنے اور تجلیات کے دیکھنے کی طاقت آتی اور برداشت ہوتی جاتی ہے جس طرح عالم ناسُوت یعنی اِس دُنیا میں علم کی روشنی ہماری بصیرت اور سمجھہ بُوجھ کو زیادہ کرتی ہے اور اُس سے ہمکو خوشی وشادمانی حاصل ہوتی ہے اُسی طرح ہمارا رُوحانی عروج ہمارے لیے باعث مسرت ہوتا ہے اور یہی عروج بتدریج ارواح کو اُس جنت کی طرف لیجاتا ہے جہاں ہم کو اُس خالق بے نیاز سے اُمید ہے کہ ایک دن اُس کے سب بچے اُس کی آغوش محبت میں جمع ہوکر اپنے مالک کی حضوری اور اپنے خالق کے زیر سایہ مُقیم ہونگے اور پھر وہاں ابدالآباد تک رہیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُس سوزش نہانی سے نجات پائینگے جسکا نام دوزخ ہے۔ ہم اُس کے ہیں اور اُس کے بچوں کو دوزخ جلائے ناممکن ہے +

دل ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر   ہم اُن کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

راقم

عاصی پُرمعاصی

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل دہلوی

(مصنف کتاب النکاح وغیرہ)